تخلیق انسان اور اس کے مراحل کی قرآنی تعبیرات: تجزیاتی مطالعہ

Quranic Interpretations of Creation of Man and Its Stages: An Analytical Study

Kulsoom Bibi
Research Scholar Ph.D
Department of Qur'an and Tafsir
Allama Iqbal Open University Islamabad

Dr. Sanaullah
Chairman of the Department of Quran and Tafsir
Allama Iqbal Open University Islamabad

ABSTRACT

This research article provides an analytical study of the various interpretations concerning the creation of man and its stages as depicted in the Holy Qur'an. The study explores the detailed descriptions and metaphysical insights provided by Islamic scripture regarding the origin and development of human beings. By examining classical and contemporary exegeses, the article elucidates the intricate process of human creation, starting from the initial divine act to the successive developmental stages in the womb. Key themes such as the significance of the creation narrative, the role of the divine spirit, and the metaphysical implications of human development are critically analyzed. The study aims to highlight the diversity of interpretations that have emerged over centuries, offering a comprehensive understanding of the Qur'anic view of human creation. Through this analysis, the article contributes to a deeper appreciation of the theological and philosophical dimensions of human existence in Islamic thought, and the enduring relevance of these teachings in contemporary discourse.

Keywords: Creation of man, Holy Qur'an, Islamic exegesis, human development stages, divine spirit, philosophical implications,

قرآن حکیم میں انسان کے بارے میں مختلف تعبیرات آئی ہیں: اکثر و بیشتر آیات کریمہ میں انسان کے لیے لفظ "انسان" استعمال ہوا ہے۔ جب کہ بعض آیات میں لفظ "الِانس" اور "الناس" کی تعبیر مستعمل ہوئی ہیں۔ جب کہ کچھ آیات میں "البشر"، "بنی آدم"، "الانام" الفاظ بھی بیان ہوئے ہیں۔

یہ واضح حقیقت ہے کہ حیات انسانی میں خدائی نظام کے مظاہر مکمل آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں، جس طرح عالمِ آفاق کے جلوے عالمِ اَنفس میں اجمالی طور پر کار فرما ہیں۔ ان میں سے ایک مسئلہ انسان کی تخلیق کا ہے۔ اس حوالے سے یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ وہ کہاں سے آیا؟ وہ کیوں موجود ہے؟ اس کا ٹھکانہ کیا ہے؟ قرآن نے پہلے سوال کے جواب کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو کہ ایک ہی وقت میں دوسرے دو سوالوں کے جواب کے لیے بنیادی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل ذکر کیے ہیں۔ انسان کی تخلیق کے اس پہلو کا ذکر قرآن حکیم میں یوں آیا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِىْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾[۱].

(بیشک ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا)۔

انسان اپنی تخلیق کے اس خوبصورت دور میں آنے سے قبل ہی ارتقاء کے دور سے گزر رہا ہے پس یہی انسان کے کیمیائی ارتقاء کا دور کہلاتا ہے۔

انسانی تشکیل وارتقاء کے مراحل

قرآنِ مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تشکیل وارتقاء کے سات مرکزی مراحل ہیں۔ ان میں پہلا مرحلہ کیمیائی تشکیل جب کہ آخری چھ بطن مادر کے تشکیلی مراحل ہیں ۔

۱- انسانی کیمیائی تشکیل

انسانی کیمیائی تشکیل سات مراحل میں ہوتی ہے۔ اس موقع پر قابل التفات بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ربوبیت کو ذکر کر کے ان مراحل کا آغاز کیا۔ فرمان خداوندی ہے:

﴿ وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴾[۲]۔ (اور حکم ہوا ہے مجھے کہ میں اس کے سامنے اپنی گردن جھکا دوں)۔

انسانی زَندگی کے کیمیائی ارتقاء کے سات مراحل کا ذکر قرآنِ مجید میں آتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

۱- تراب ۲- الماء ۳- طین ۴- طین لازب ۵- صلصال من حماء مسنون ۶- صلصال کالفخار ۷- سلالہ من طین۔

ا۔ تراب

لفظ تراب کی جمع اَتربۃ اور تربان آتی ہے، جس کا معنی ہے: "ما نعم من أديم الأرض".[۳] (یعنی سطح زمین کی طرف سے نعمتیں)۔ اس کی مونث التربۃ ہے: حدیث میں ہے: "خلَقَ اللهُ عزَّ وجلَّ التُّربةَ يومَ السَّبتِ".[۴] (اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن مٹی کو تخلیق کیا)۔

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب کسی شخص کے بدن کے کسی حصے میں بیماری لاحق ہوتی یا اس میں کوئی پھوڑا یا زخم وغیرہ ہوتا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم.... اور فرماتے ہے: "بسمِ الله، تُربَةُ أرضِنا".[۵] (اللہ کے نام کے سے، یہ ہمارے زمین کی مٹی ہے۔)

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ تراب کا معنی بیان کرتے ہیں:

" التراب الارض نفسها". [6](تراب سے مراد فی نفسہ زمین ہے)۔

تراب سے عام خشک مٹی مراد ہے ۔انسان کے اولین جوہر کو اللہ تعالیٰ نے ایک غیر نامی (نہ بڑھنے والے) مادے سے تخلیق کیا ہے ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ﴾ [7]۔(اللہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا)۔

۲۔الماء

اللہ تعالیٰ نے زمین پر بسنے والی بے شمار اور لاتعداد مخلوق کی تخلیق ماء یعنی پانی سے کی ہے۔ ہر جاندار کی تخلیق میں پانی ایک بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں کیا ہے، کہ اس نے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا، [8] ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴾ [9] ۔

(اور ہم نے (زمین پر) ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا، کیا وہ ایمان نہیں لاتے؟)

كُلَّ شَيْءٍ میں تمام جاندار مخلوق کی تخلیق شامل ہے۔لازما انسان کی تخلیق اسی پانی سے ہوئی ہے،یعنی ہر جاندار کی طرح انسان کی تخلیق بھی پانی سے کی گی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق میں بطور خاص پانی کا ذکر کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا ﴾ [10]۔(اور اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے خلق کیا)۔

۳۔طین

علامہ راغب الاصفہانی "طین" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الطین: التراب والماءالمختلط" .[11] (طین: یعنی مٹی اور پانی باہم ملنے کو کہتے ہیں)۔

بقول لوئیس معلوف طین اس مٹی کو کہا جاتا ہے جسے پانی ملا کر گوندھا گیا ہو۔ لکھتے ہیں:

"الطین: التراب الذی یجبل بالماء". [12](طین اس مٹی کو کہتے ہیں جو پانی کے ساتھ گوندھی گئی ہو)

گویا تراب اور الماء دونوں مل کر "طین" یعنی گارا کو کہتے ہیں۔

گزشتہ آیات میں انسان کی تخلیق میں تراب اور الماء کا ذکر ہے اس مرحلہ میں "طین" کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ طین، ایسی مٹی کو کہتے ہیں جو پانی کے ساتھ گوندھی ہوئی ہو۔ انسانی تخلیق میں "طین" بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن طِينٍ﴾.[13](اللہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی کے گارے سے پیدا فرمایا)۔

قرآن کریم میں لفظ "طین" کا ذکر بارہ مرتبہ آیا ہے۔ جن درج ذیل آیات کریمہ ملاحظہ کیجیے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴾ [14](کہنے لگا تو نے مجھے آگ اور اسے پانی سے پیدا کیا ہے)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ﴾.[15](تو اے ہامان! میرے لیے مٹی پر آگ جلا۔)

۴۔طین لازب

"طین" کے بعد اگلی شکل "طین لازب" کی ہے، یعنی جب گارے کا گاڑھا پن زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ قدرے سخت ہو کر چپکنے لگتا ہے۔

لغت میں لازب کا معنی ہے:

" ولَزب الطين يلْزب لُزوباً، ولَزُبَ: لَصق وصَلُب، ولَزمتْ. وطين لازبٌ أي لازقٌ "[16].

"لَزب الطين يلْزب لُزوباً" **اس وقت کہتے ہیں جب مٹی چمٹ اور سخت ہو جائے۔ اور**"طين لازب أي لازقٌ" **کا معنی ہے چپکتی ہوئی مٹی۔**

"طین لازب" کا معنی ہوا

"اذَا زال عنه(الطين) قوةُ الماء فهو طين لازب".[17](**جب گارے سے پانی کی سیلانیت زائل ہو جائے تو اُسے "طین لازب" کہتے ہیں)۔**

انسانی تخلیق میں گارے "طین لازب" کو بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا خَلَقْنَٰهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ﴾.[18](**بے شک ہم نے اُنہیں چپکتے گارے سے بنایا)۔**

۵۔صلصال من حماء مسنون

لفظ صلصال "صلل" سے مشتق ہے اور لغت میں اس مادہ کے دو معانی آتے ہیں:

۱- آواز کی کھنکناہٹ یعنی بجتی ہوئی مٹی کی آواز، حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں وحی کے آنے کو" صلصلة الجرس" سے تشبیہ دی گی ہے.[19]

علامہ راغب اصفہانی "صلصال" کا معنی بیان کرتے ہیں:

" تردد الصوت من الشيء اليابس، مسمى الطين الجاف صلصالا "[20]۔

وہ کھنکھناہٹ، جو خشک چیز سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے خشک مٹی کو "صلصال" کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ بجتی اور آواز دیتی ہے۔

بقول لوئیس معلوف الصلصال کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

"الطين اليابس الذى يصل من يسبه اى يصوت" [21]**۔صلصال سے اس خشک مٹی کو کہتے ہیں جو اپنی خشکی کی وجہ سے بجتی ہے۔**

۲-بدبودار ہونا، اس معنی میں یہ" صل اللحم" سے مشتق ہے، جس کا معنی گوشت کا بدبودار اور اس رنگت کا تبدیل ہونا ہے[22]**۔ مراد بدبودار مٹی ہے۔**

" صلصلة" سے مراد وہ آواز جو کسی چیز کو بجانے یا کھڑکانے سے پیدا ہوتی ہے۔

مٹی اور پانی سے مل کر تشکیل پانے والا گارا "طین لازب" جب خشک ہونے کے بعد اس میں بو پیدا ہو جائے تو اسے "صلصال من حماء مسنون" کہتے ہیں۔ گویا صلصال من حماء مسنون اس مادے کو کہتے ہیں خشک اور بجتی ہو یعنی ایسا سیاہ گارے جس سے بو آتی ہو۔ صلصال کا مرحلہ " طین لازب "یعنی چپکنے والے گارے کے بعد آتا ہے۔

فرمان خداوندی ہے:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾ [۲۳]۔(اور بے شک ہم نے انسان کو بنایا خشک بجتے ہوئے گارے سے)۔

تراب میں بجنے اور آواز دینے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے اگلے مرحلے میں جب طین (ایسی مٹی جو پانی کے ساتھ گوندھی ہوئی ہو یعنی گارا) ہوا، اور پھر چپکنے والا گارا یعنی طین لازب، وقت گزرنے کے ساتھ خشک ہوتا گیا تو اس خشکی سے اس میں بجنے اور آواز دینے کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔ آیت کریمہ میں صلصال یعنی گارے کی اسی حالت کا ذکر ہے۔ طویل زمانہ گزرا اور اس میں جلنے سڑنے کے مرحلہ گزرا تو اس کا رنگ متغیر ہو کر سیاہ ہوگیا اور جلنے کے اثر سے اس میں بو بھی پیدا ہوگئی۔ گویا لفظ "صلصال" واضح کر رہا ہے کہ اس مرحلے تک پہنچتے پہنچتے مٹی کی سیاہی، بدبو اور اس کی کثافت ختم ہو چکی تھی۔

اس کی وضاحت اس آیت کے الفاظ ﴿حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾ سے ہوتی ہے۔ لفظ حَمَإٍ **حمأة** کی جمع ہے۔ اس سے مراد ایسی مٹی جو سیاہی میں بدل جاتی ہے۔ اور جس کی سیاہی، تپش اور حرارت کے باعث وجود میں آئی ہو اسی لیے قرآن حکیم میں یہ انہی معانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

۱- دہکتی ہوئی آگ، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً﴾. [۲۴] دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گے۔

۲- جلنے، تپنے کے معنوں میں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ﴾ [۲۵]۔ جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر جہنم کی آگ میں تاپ دی جائے گی۔

۳- کھولتا ہوا گرم پانی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا﴾ [۲۶]۔

(اور اُس میں (کسی قسم کی) ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا سوائے کھولتے ہوئے گرم پانی اور پیپ کے)۔

گویا یہ لفظ جلنے اور سڑنے کے مرحلے کی نشان دہی کر رہا ہے۔ جلنے کے عمل سے کثافتیں سڑتی ہیں اور بدبو کو جنم دیتی ہیں جو اس وقت تک رہتی ہے جب تک کثافتوں کے سڑنے کا عمل یا اس کا اثر باقی رہتا ہے۔ دھوپ اور دیگر طبیعیاتی اور کیمیائی اثرات کے باعث تغیر پذیر ہو کر سیاہ بدبو دار ہو جانے والا گارا بن جاتا ہے۔

﴿مَّسْنُونٍ﴾ لفظ "مسنون": سن سے مشتق ہے جس کے معنی متغیر ہو جانا، کسی شے میں بو پیدا ہو جانا کے ہیں، جو کہ اِحماء (جلانے) کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس کے دیگر معانی میں سے صاف کرنا، چمکانا ہے. [۲۷]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ﴾ [۲۸]۔ ذرا تم اپنے کھانے اور پینے کو تو دیکھو کہ وہ خراب تک نہیں ہوا۔

اس کی تفسیر میں ابو عمرو کہتے ہیں أي "متغير منتن"؛ اور ابوالہیثم کہتے ہیں أي" سن الماء فهو مسنون أي تغير". [۲۹]

حدیث بروع بنت واشق میں ہے:

"وكان زوجها سنَّ في بئر أي تغير وأنتن".[۳۰](اور اس کا خاوند کنویں میں سڑ گل گیا اور بدبودار ہو گیا)۔

۶۔صلصال کالفخار

الفخار فخارۃ کی جمع ہے، مٹی کے برتن کو کہتے ہیں، ابن منظور الفَخّار کا معنی بیان کرتے ہیں:

"ضرب من الخزف معروف تعمل منه الجرار و الكيزان و غيرها".[۳۱]

برتنوں کی ایک معروف قسم جو مرتبان اور کوب بنانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

علامہ الثعالبی الفخّار کا معنی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"إذا كان الطين مطبوخاً فهو الفخّار".[۳۲]

اگر مٹی پکائی جائے تو وہ الفخّار (مٹی کے برتن) کے معنوں میں ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿خلق الانسان من صلصال كالفخار﴾.[۳۳](اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی سوکھی مٹی سے پیدا کیا)۔

جب جلانے کا عمل مکمل ہوا تو گارا پک کر خشک ہو کر بجتی ہوئی مٹی بن گی اور پانی اور کثافتوں سے پاک صاف ہو گی تو نہایت لطیف اور عمدہ مادے کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو اسے "فخار" سے تشبیہ دی ہے۔ اب ایسا پاک، صاف، نفیس، عمدہ اور لطیف مادہ تیار ہو چکا ہے کہ اسے اشرف المخلوقات کی بشریت کا خمیر بنایا جاسکے۔ فخّار میں عمدگی اور نفاست میں مزید اضافہ مراد ہے۔ اس تشبیہ میں دو اشارے ہیں:

۱۔ ٹھیکرے کی طرح پک کر خشک ہو جانا۔ جس طرح گھڑا اچھی طرح پک چکا ہوتا ہے، تو وہ اپنی آواز اور گونج سے اپنے پکنے، خشک اور پختہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔

۲۔ کثافتوں سے پاک ہو کر نہایت لطیف اور عمدہ حالت میں آجانا۔ جس سے اس کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

اس معنی کی رو سے اِظہار شرف کی بجائے اصل شرف کی طرف اشارہ ہے۔ گویا یہاں انسان کی تخلیق کی نفاست اور عمدگی کی حالت کو بیان کیا گیا ہے۔

انسان کی خلقت میں "صلصال" کی پاکیزگی، طہارت اور لطافت کے حصول کے لیے آگ کو محض استعمال کیا گیا، اسے خلقتِ انسانی کا مادہ نہیں بنایا گیا ہے۔ گویا انسان کی تخلیق میں فخر و مباہات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جس سے انسان کی فضیلت کا اظہارِ ہوتا ہے۔

۶۔سلالہ من طین

سُلٰلَة: سلَّ یسلُّ سے مشتق ہے، جس کے معنی نکالنا، چننا، جوہر، ست، خلاصہ اور میل کچیل سے اچھی طرح صاف کرنا شامل ہے۔ سلالہ من طین کا معنی ہوا مٹی کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ لسان العرب میں سُلٰلَة کا معنی بیان کیا گیا ہے۔

"سلَّ الشَّيء من الشَّيء: انتزعه وأخرجه برفق".[۳۴](کسی چیز کا آہستہ سے باہر نکال لینا)۔

علامہ راغب اصفہانی، سُلٰلَة من طين کا معنی بیان کرتے ہیں:

"اَلصَّفوا الذی يسلُّ من الْأَرض".[۳۵]۔ مٹی میں سے چنا ہوا وہ جوہر ہے جسے اچھی طرح سے پاک اور صاف کر دیا گیا ہو۔

گویا کسی چیز کو اچھی طرح صاف وشفاف کرنا اور اسے اس کی کثافتوں کو دور کرنا اور اس کے جوہر کو اصلی اور لطیف ترین شکل میں لانا سُلٰلۃ کہلاتا ہے۔ یہ انسان کی کیمیائی تخلیق کے دوران پیش آنے والے آخری مرحلے ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ مِن سُلَٰلَةٍ مِّن طِينٍ ﴾ (۳۶) ۔اور بیشک ہم نے انسان کی ابتدائی تخلیق مٹی کے خلاصہ سے کی۔

اس آیت میں انسان کی تخلیق آخری مراحلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔یعنی گارے میں اصل جوہر اور مصفّٰی وخالص نچوڑ کو چن لیا جاتا ہے، یہاں انسانی زندگی کا کیمیائی ارتقاء "طین لازب" کے تزکیہ وتصفیہ کا بیان ہے۔ مختصر یہ کہ سیدنا آدم علیہ السلام کے پتلے کی تخلیق سات مراحل میں ہوئی جن کی ترتیب یوں ہے۔

۱-تراب یعنی خشک مٹی سے

۲-ارض یعنی زمین کی عام مٹی سے

۳-طین یعنی گیلی مٹی یا گارے کے ذریعے

۴-طِیْنٍ لَّازِبٍ یعنی لیس دار مٹی کے ذریعے

۵-بدبودار کیچڑ سے

۶- حرارت سے پکائی جانے والی مٹی

۷-ٹن سے بجنے والی ٹھیکری (۳۷)

خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان (آدم علیہ السلام) کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو زمین سے ایک مشت خاک لی۔ پھر اسے پانی سے تر کیا یہاں تک کہ وہ سیارہ رنگ کے گارے میں تبدیل ہوگئی۔ پھر اس میں بدبو پیدا ہوئی اور اس سے انسانی تخلیق عمل میں لائی گئی۔ جب وہ سوکھ گئی تو اس سیاہ رنگ کی بدبودار مٹی سے انسانی سورت کو بنایا گیا۔ جب سورج کی تپش سے وہ مزید پختہ ہوگئی تو اس میں روح پھونکی اور یوں انسان کی تخلیق ہوئی، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی روح سے پھونکا تو یہ بشر بن گیا۔ اس کو مسجود ملائکہ بھی بنایا گیا۔ پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا گیا، پھر اس کے بعد حقیر پانی سے نسل چلائی گئی جس کے لیے دوسرے مقامات پر نطفہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ (۳۸)

۲-بطنِ مادر کے تشکیلی مراحل

انسان کی تخلیق وتشکیل کے سات مراحل جن کا تعلق اس کی کیمیائی تشکیل سے تھا اس کے بعد یہاں اس کے بقیہ تشکیلی مراحل کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن کا اس کے بطن مادر سے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴾ (۳۹) ۔

ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا، پھر ہم نے اسے بوند کی شکل میں رکھا ایک محفوظ ٹھکانے میں ، پھر ہم نے نطفے کو "علقہ" کی شکل دی۔ پھر علقہ کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا، پھر گوشت کے اس لوتھڑے کے اندر ہڈیاں بنائی ہم نے ، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے ایک اور ہی تخلیق پر اسے اٹھایا. پس اللہ بڑا بابرکت ہے ، تمام تخلیق کرنے والوں میں بہترین تخلیق کرنے والا ہے۔

ان مراحل کی ترتیب یوں ہے۔ ۱-سلٰلۃ من طین ۲-نطفہ ۳-علقہ ۴-مضغہ ۵-عظام ۶-لحم ۷-خلقِ آخر۔

پہلا مرحلہ: سلٰلۃ من طین

سلٰلۃ من طین یعنی مٹی کے سَت سے پیدا کرنا، اس کا معنی یہ ہے کہ ہر انسان ان مادوں سے پیدا کیا گیا ہے جو تمام زمین سے حاصل ہوتے ہیں اور اس تخلیق کی ابتدا نطفے سے ہوتی ہے یا یہ کہ نوعِ انسانی کا آغاز آدم علیہ السلام سے کیا گیا جو براہِ راست مٹی سے بنائے گئے تھے اور پھر آگے نسلِ انسانی کا سلسلہ نطفے سے چلا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ جعل نسلہ من سلالۃ من مآء مھین﴾[۴۰]۔ پھر اس کی اولاد نچڑے ہوئے حقیر پانی سے بنائی۔

لفظ سُلٰلَۃ کا معنی پہلے گزر چکا ہے کہ کسی چیز کا جوہر، ست، خلاصہ یا کسی چیز کا بہترین حصہ وغیرہ۔ نئی تحقیق کے مطابق ہر بالغ عورت کے مخصوص حصے میں چار لاکھ ناپختہ انڈے موجود رہتے ہیں مگر ان میں سے صرف ایک انڈہ پختہ ہو کر اپنے مقررہ وقت پر نمودار ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے اس بات کی کہ نشاندہی لفظ سُلٰلَۃ سے کی ہے۔

ہارون یحییٰ لکھتے ہیں:

"مباشرت کے دوران ایک زبیک وقت کئی کروڑ کرم منوی یا جرثومے خارج کرتا ہے۔ یہ تولیدی مادہ پانچ منٹ کا مشکل سفر ماں کے جسم میں طے کر کے بیضہ تک پہنچتا ہے۔ ان کروڑوں جرثوموں میں سے صرف ایک ہزار جرثومے بیضے تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اس بیضے کا سائز نصف نمک کے دانے کے برابر ہوتا ہے جس میں صرف ایک جرثومے کو اندر آنے دیا جاتا ہے۔ گویا انسان کا جوہر پورا مادہ منویہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ اس کا جوہر بنتا ہے[۴۱]۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک حالیہ سائنسی تحقیق کی روشنی میں لکھتے ہیں:

" اس بات کا بھی علم ہمیں حال ہی میں ہوا ہے کہ کسی انڈے کے اندر داخل ہونے والا منی کا ایک معمولی سا قطرہ یا جرثومہ ہی اسے بارآور بنانے کے لیے کافی ہے۔ حالانکہ ایک مرد کئی کروڑ جرثومے پیدا کرتا ہے۔...... اور یہ کہ عورت کے رحم کے اندر بننے والے لاکھوں انڈوں میں سے صرف ایک انڈہ ہی بارآور ہوتا ہے۔[۴۲]

دوسرا مرحلہ: رحم مادر میں نطفہ کا رکھنا

رحم مادر میں نطفہ کو محفوظ بنا کر رکھنا اور پھر اس نطفہ یعنی منی کے پانی سے انسان کو پیدا کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿نحن خلقناکم فلولا تصدقون . افرایتم مّا تمنون. اانتم تخلقونہ ام نحن الخالقون﴾[۴۳]۔

(ہم نے ہی تمھیں پیدا کیا ہے پس کیوں تم تصدیق نہیں کرتے۔ بھلا دیکھو (تو) (منی) جو تم ٹپکاتے ہو۔ کیا تم اسے پیدا کرتے ہو یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿ انّا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه فجعلنه سميعا بصيرا ﴾.[۴۴]

بے شک ہم نے انسان کو ایک مرکب بوند سے پیدا کیا، ہم اس کی آزمائش کرنا چاہتے تھے پس ہم نے اسے سننے والا دیکھنے والا بنادیا۔

اس آیت کریمہ میں نطفہ اَمشاج کے الفاظ قابل غور ہیں جس کے مخلوط کے معنی ہیں، وہ مادہ یعنی منی کئی رطوبات کا مرکب اور مجوعہ ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ماں باپ کے مخلوط نطفے کا ذکر بھی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فلينظر الانسان مم خلق ۔خلق من مآء دافق۔ يخرج من بين الصلب والترآئب﴾.[۴۵]

پس انسان کو دیکھنا چاہیے کہ اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ۔ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔

یعنی باپ کا نطفہ الگ تھا، ماں کا الگ، ان دونوں نطفوں کے ملاپ سے ماں کے رحم میں حمل قرار پایا۔ پھر ہم نے اس مخلوط نطفہ کو ایک ہی حالت میں پڑا نہیں رہنے دیا۔ ورنہ وہ وہیں گل سڑ جاتا، بلکہ ہم اس کو الٹتے پلٹتے رہے اور رحم مادر میں اس نطفہ کو کئی اطوار سے گزار کر اسے ایک جیتا جاگتا انسان بنادیا۔

ایک دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿ قُتل الإنسان ما أكفره.من أيِّ شيءٍ خلقه.من نطفة ﴾[۴۶]۔ ہلاکت ہو انسان کے لیے، کہ کیسا سخت منکر حق ہے ، اللہ نے کس چیز سے اسے پیدا کیا ہے؟۔

اس امر کی تائید بھی عصرِ حاضر کی سائنسی تحقیق نے کر دی ہے۔ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق نطفہ بعض رطوبات سے بنتا ہے، جو ان غدودوں سے آتی ہیں۔[۴۷]

اس آیت میں دو چیزوں صلب اور ترائب کا ذکر ہے۔ گویا مرد کا پانی (منی) صلب اور ترائب میں سے گزر کر عورت کے رحم کو سیراب کرتا ہے اور اس سے بچے کی تخلیق ہوتی ہے۔

تیسرا مرحلہ: نطفہ کا لوتھڑا بننا

اس تیسرا مرحلے میں نطفہ کو لوتھڑا بننا جس کے لیے آیت میں لفظ" علقہ" استعمال ہوا ہے۔ جو جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کو کہتے ہیں۔ فرمان خداوندی ہے:

﴿ اقرأ باسم ربك الذى خلق .خلق الانسان من علق﴾[۴۸] ۔اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا (اور) انسان کو (جمے ہوئے) خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔

لفظ "علقہ" کو وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں چوسنے کے لیے جسم کے ساتھ جونکیں چمٹ جائیں۔ رحم مادر کی دیوار کے ساتھ جفتے کے چمٹنے اور اس سے اس کے پرورش پانے کے لیے اس سے بہتر کوئی اور لفظ استعمال نہیں ہو سکتا تھا۔ رحم مادر سے پوری طرح چمٹ جانے کے بعد جفتہ کی نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔

پروفیسر کیتھ مور[۴۹] اور دیگر ماہرین کے مطابق "علقہ" کے مرحلے کے دوران انسانی جنین جونک کے مشابہہ ہوتا ہے۔ اس مرحلہ پر جنین اپنی ساری خوراک اپنی ماں کے خون سے حاصل کرتا ہے۔ پھر جس طرح جونک دوسروں کا خون چوستی ہے۔ چنانچہ اس مرحلہ کے دوران خون کی ایک بڑی مقدار جنین میں موجود رہتی ہے اور جنین میں موجود خون تیسرے ہفتہ کے اختتام تک گردش نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مرحلہ کے دوران جنین کی ظاہری شکل جمے ہوئے خون کے لوتھڑے جیسی ہوتی ہے[۵۰]۔

پروفیسر کیتھ مور اس حقیقت کا واضح لفظوں میں اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایمبریالوجی کے حوالے سے قرآن وحدیث میں آنے والی معلومات جدید سائنسی معلومات کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں اور ان میں بالکل کوئی تضاد نہیں پایا جاتا ہے۔[۵۱]

چوتھا مرحلہ: مضغۃ کا ہے۔

مضغۃ کا معنی دانتوں سے چبایا ہوا مادہ ہے۔ یعنی جنین کی پشت پر پڑنے والے نشانات دانتوں سے چبائے ہوئے مادے کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ نشانات دانتوں کے نشانات سے کافی حد تک مشابہت رکھتے ہیں۔ اس مرحلے کے دوران اگر جنین کو کاٹ کر مشاہدہ کیا جائے اور اس کے اندرونی اعضا کو چیر کر دیکھا جائے تو واضح طور پر معلوم ہوگا کہ اس کے زیادہ تر حصے مکمل ہو چکے ہیں جب کہ کچھ حصے مکمل تیار نہیں ہوئے ہیں[۵۲]۔

پروفیسر مارشل جانسن کے مطابق اگر ہم ایک مکمل تخلیق یا پیدائش کی وضاحت کریں تو تب صرف اس حصے کی وضاحت کریں گے کہ جو مکمل ہو چکا ہے۔ اور اگر جنین کی بطور ایک نامکمل تخلیق یا پیدائش وضاحت کریں تو ہم صرف اس حصّے کی وضاحت کریں گے کہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔ تو کیا یہ ایک مکمل پیدائش ہے یا ایک نامکمل پیدائش، جنین کے اس مرحلے کی وضاحت قرآن حکیم نے اس طرح کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ ﴾[۵۳]۔

اے لوگو! اگر تم دوبارہ زندہ ہونے میں شک میں مبتلا ہو تو ہم نے تمہیں مٹی سے پھر قطرے سے اور پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کی بوٹی سے اور بغیر نقشہ بنی ہوئی سے بنایا۔

انسانی تخلیق کے بعض حصے کی تکمیل اور بعض حصے کے ناقص ہونے کی وضاحت اس سے بہتر نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس اثنا میں رحم مادر ایک ایسے بہنے والے مادے سے بھر جاتا ہے جسے "غلافِ جنین سیال مادہ" کہتے ہیں جو جفتے کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ اس جنین سیال مادے کا سب سے اہم کام یہ ہوتا ہے کہ یہ اپنے اندر موجود بچے کو باہر کی ضربوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ فرمان خداوندی ہے:

﴿ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴾[۵۴]۔

وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں بناتا ہے ایک طرح کے بعد اور طرح تین اندھیریوں میں یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں پھر کہاں پھیرے جاتے ہو۔

پانچواں اور چھٹا مرحلہ: ہڈیوں اور گوشت کا بننا

اس مرحلہ میں وہ جنین جو قبل ازیں جیلی کی مانند نظر آتا تھا ، کچھ وقت کے بعد دوسری شکل اختیار کرلیتا ہے ۔ اپنی ابتدائی نرم ساخت میں ، اب اس کی سخت ہڈیاں بننی شروع ہو جاتی ہیں جو جسم کو سیدھا کھڑا ہونے کے قابل بناتی ہیں۔ وہ خلیے جو ابتدا میں بالکل عام سے تھے اب خاص شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ کہیں ایسے خلیے تشکیل پاتے ہیں جو سردی گرمی اور درد کے مقابلے میں حساس ہوتے ہیں۔ اور کچھ خلیے آوازوں کی لہروں سے بڑے حساس ہوتے ہیں۔

جب جنین تخلیق کے مراحل پورے کر چکتا ہے تب اس میں روح پھونک دی جاتی ہے اور تخلیق کی تکمیل ماں کے بطن میں نطفہ قرار پانے کے بعد ۱۲۰ دن میں مکمل ہوتی ہے، جنین میں روح پھونکے کے بعد وہ ایک دوسری مخلوق بن جاتا ہے کیونکہ اب وہ حرکت کرنے اور آواز کو سننے پر قادر ہو جاتا ہے۔ اس کا دل برابر دھڑکنے لگتا ہے۔ پھر وہ اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ (۵۵)۔ پھر ہم نے اس کو دوسری مخلوق بنایا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے بابرکت ہے۔

جدید سائنسی تحقیقات سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی ابتدائی تخلیق پچیس سے چالیس دن کے درمیان ہوتی ہے۔ اس دوران اس کی شکل اگرچہ ایک ڈھانچے کی مانند نظر آتی ہے، تاہم پٹھوں اور گوشت کی تشکیل نا تمام ہوتی ہے۔ یہ ساتویں اور آٹھویں ہفتے میں جا کر مکمل ہوتی ہے ۔ جب کہ ہڈیاں ۴۲ ویں دن تک مکمل ہو چکی ہوتی ہیں۔ پھر ڈھانچہ بن چکا ہوتا ہے اب یہ بچہ اپنے آغاز کے مقابلے میں تقریباً ۱۰۰ ملین بار بڑا اور تقریباً ۶ ملین مرتبہ بھاری ہوتا ہے۔

محمد حسین میمن نے انسان کی تخلیق کے بارہ مراحل کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سورۃ المؤمنون (۵۶) کی آیات سے استدلال کرتے ہوئے سے ۹ مراحل جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱- مٹی کے خلاصے سے انسان کو پیدا کیا

۲- ایک مضبوط جگہ میں اسے نطفہ بنا کر ٹھکانہ دیا۔

۳- پھر نطفے سے ایک لوتھڑا بنایا۔

۴- پھر لوتھڑے کو بوٹی کی شکل دی۔

۵- پھر بوٹی کے اندر ہڈیاں بنائی۔

۶- پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔

۷- پھر اس کو ایک نئی صورت میں بنا دیا۔

۸- پھر اس کے بعد تم مر جاتے ہو۔

۹- پھر ایک دن اٹھا کر کھڑے کیے جاؤ گے۔

اور سورۃ الغافر (۵۷) سے تین مراحل کا ذکر کیا۔

۱۰- پھر تم کو نکالتا ہے (کہ تم) بچے ہوتے ہو۔

۱۱- پھر تم اپنی جوانی تک پہنچتے ہو۔

۱۲- پھر بوڑھے ہو جاتے ہو۔(۵۸)

اس لحاظ سے انسانی تخلیق وبناوٹ کا پہلا مرحلہ مٹی ہی ہے، جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی جانب اشارہ ہے یا پھر تمام انسانوں کی خاک سے تخلیق کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ وہ تمام غذائی مواد جو انسانی وجود بلکہ اس کے نطفے تک کو تشکیل دیتا ہے خواہ وہ مواد حیوانی ہو یا نباتی، سب کی بنیاد مٹی ہی ہے۔

دوسرا مرحلہ، نطفے کا ہے جس کا تعلق سیدنا آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حوا کے علاوہ باقی تمام انسانوں سے ہے۔ اور تیسرا مرحلہ وہ ہے جس میں نطفہ ارتقاء کی منزل کو پہنچ جاتا ہے اور ایک بڑی حد تک نشو ونما پا کر جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد "مضغہ " (خون کے لوتھڑے) کا پھر اعضاء کے ظاہر ہونے کا مرحلہ آجاتا ہے، پھ اس کی حرکت کا مرحلہ ہے. البتہ قرآن مجید میں اس مقام پر ان تین مراحل کا تذکرہ نہیں ہے اگرچہ دوسری کئی آیات میں ان کی طرف اشارات موجود ہیں۔ تخلیقِ انسانی کے ان تین مراحل میں سے ہر مرحلہ کی مدت ۴۰ ایام ہے، گویا ان تینوں مراحل کی مجموعی مدت چار مہینے یا ۱۲۰ دن بنتی ہے۔

چوتھا مرحلہ " جنین کی ولادت " کا ہے اور پانچواں مرحلہ جسمانی طاقت کے کمال کا مرحلہ ہے جسے بعض لوگ ۳۰ سال کی عمر بتاتے ہیں۔ اس موقع پر زیادہ سے زیادہ جسمانی نشو ونما ہو چکی ہوتی ہے۔ بعض لوگ اسے اس سے زیادہ اور کچھ لوگ اس سے زیادہ اور کچھ لوگ اس سے کم عرصہ بتاتے ہیں. قرآن نے اسے " بلوغ اشد " سے تعبیر کیا ہے۔

انسانی تخلیق کے ان مراحل کو پڑھ اور سمجھ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس تخلیق کے پیچھے کوئی طاقت ور ذات کار فرما ہے، جس کی مدد سے انسانیت کی تخلیق کا عمل مسلسل جاری ہے اور انسانی تخلیق ہی نظام ربوبیت کی آئینہ دار ہے۔ حیران کن امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن تخلیقی مراحل کو چودہ سو سال قبل بیان کیا، آج کی جدید سائنسی تحقیقات انہی مراحل کی تصدیقات کر رہی ہیں۔(۵۹)

معلوم ہوا کہ قرآنی ترتیب بالکل جدید تحقیقات کے مطابق یعنی سب سے پہلے علقہ پھر مضغہ پھر عظاماً اور پھر لحما ہے۔ حدیث میں بھی ماں کے پیٹ کے اندر جنین کے ان مختلف مراحل کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إنَّ أَحدَكُم يجمع خَلْقُه في بطْنِ أُمه أَربعين يوما، ثُمَّ يَكُونُ في ذَلكَ عَلَقَةً مثلَ ذَلكَ، ثُمَّ يَكُونُ في ذَلكَ مضغةً مثلَ ذَلكَ، ثُمَّ يرسل الْمَلَكُ فينفخ فيه الرُّوح)) (۶۰)۔

(تم میں سے ہر شخص کی تخلیق، اس کی ماں کے پیٹ میں بصورت نطفہ چالیس دن جمع کی جاتی ہے، پھر وہ اتنی مدت جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر اتنا عرصہ کیلئے گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے، پھر اس کی جانب فرشتے کو بھیجا جاتا ہے جو اس کے اندر روح پھونک دیتا ہے)۔

ایک دوسری روایت میں حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرمارہے تھے۔

((يَدْخل الْملَكُ علَى النُّطْفَة بعدَ ما تَستقرُّ في الرَّحم بأَربعينَ أَوْ خمسة وأَربعينَ لَيلةً فيقولُ يا ربِّ أَشقيٌّ أَوْ سعيدٌ فيُكْتبان فيقولُ أَي ربِّ أَذَكرٌ أَوْ أُنْثَى فيُكْتَبان ويُكْتَبُ عملُه وأَثَرُه وأَجلُه ورزقُه ثُمَّ تُطْوَى الصُّحفُ فلا يُزادُ فيها ولا يُنْقَصُ))(۶۱)۔

(جب نطفہ (چالیس چالیس دن کے دو مراحل کے بعد تیسرے میں) چالیس یا پینتالیس راتیں رحم میں ٹھہرا رہتا ہے تو (اللہ کا مقرر کیا ہوا) فرشتہ اس کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے: اے رب! یہ خوش نصیب ہو گا یا بد نصیب ہو گا؟ تو دونوں (باتوں میں سے اللہ کو بتائے اس) کو لکھ لیا جاتا ہے، پھر کہتا ہے: اے رب! یہ مرد ہے یا عورت؟ پھر دونوں (میں سے جو اللہ بتائے اس) کو لکھ لیا جاتا ہے، پھر اس کا عمل، اس کے قدموں کے نشانات، اس کی مدت عمر اور اس کا رزق لکھ لیا جاتا ہے، پھر (اندراج کے) صحیفے لپیٹ دیے جاتے ہیں، پھر ان میں کوئی چیز بڑھائی جاتی ہے، نہ کم کی جاتی ہے)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّه عزَّ وجلَّ قدْ وكَّل بالرَّحم ملَكًا، فيقولُ: أَي ربِّ نُطْفةٌ؟ أَي ربِّ علَقةٌ؟ أَي ربِّ مُضْغةٌ؟ فإذَا أَرادَ اللَّهُ أَنْ يقضي خلْقًا، قالَ: قالَ الْملَكُ: أَي ربِّ ذَكرٌ أَوْ أُنثى؟ شقيٌّ أَوْ سعيدٌ؟ فما الرزقُ؟ فما الأَجلُ؟ فيُكْتَبُ كذَلكَ في بطْن أُمِّه))(۶۲)۔

(اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمارکھا ہے، وہ عرض کرتا ہے کہ اے میرے رب، نطفہ تیار ہو گیا ہے، اے میرے رب خون بستہ ہو گیا، اے میرے رب گوشت کا لوتھڑا تیار ہو گیا، اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں تو وہ فرشتہ دریافت کرتا ہے کہ اے میرے رب! نر ہے یا مادہ، بدبخت ہے نیک بخت، اس کی روزی کتنی ہے، عمر کتنی ہے؟ اس طرح رحم مادر میں ہی ان چیزوں کے بارے میں اس کی تقدیر لکھ دی جاتی ہے)۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے نطفہ، علقہ اور مضغہ کے مراحل کا تذکرہ فرمایا ہے جب کہ اس سے پہلے والی حدیث میں بیان ہوا ہے کہ نطفہ بننے کے بعد بیالیس راتیں گزرنے پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ آتا ہے اور وہ اس کی صورت سازی اور تخلیق کا کام انجام دیتا ہے' یہ بات بالکل وہی ہے جس کے بارے میں علم جنین سے متعلق جدید تحقیقات بتاتی ہیں کہ اس مدت میں گوشت کے ٹکڑے میں موجود جسمانی حصے ہڈیوں اور پٹھوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں، پھر ہڈیوں پر گوشت اور پٹھے چڑھتے ہیں، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جنین کی نشو و نما کے مراحل میں حضرت حذیفہ والی حدیث میں مذکور مراحل اور علم جنین کے سلسلے کی جدید تحقیقات کے نتائج بالکل یکساں ہیں۔

ان دونوں احادیث میں پہلے چلے کے بعد ایک خاص چیز کے پیدا ہونے پر اتفاق ہے اس طرح یہ احادیث اس بات پر متفق ہیں کہ اس دوران پیدا ہونے والے بچے کی تقدیر کے بارے میں فرشتہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کر کے لکھتا ہے۔ نیز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اس نطفے کی صورت سازی اور تخلیق کا عمل پہلے چلے کے بعد شروع ہوتا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جنین میں روح کا پھونکا جانا تیسرے

چلے کے بعد ہوتا ہے۔ تاہم فرشتے کے حاضر ہونے کے وقت کے بارے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے [۶۳]۔

حافظ ابن قیم ان دونوں احادیث کو تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والی روایت پہلے چالیس دن کے بعد تخلیق کی ابتدا پر دلالت کرتی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ تیسرے مرحلے کے بعد جنین میں روح پھونکی جاتی ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث تخلیق کا آغاز چالیس روز کے بعد شروع ہو جانے کے سلسلے میں صریح ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صورت سازی اور تخلیق کے وقت سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس میں نطفے کے مختلف ادوار اور زمانوں کا بیان ہے اور اس بات کا تذکرہ ہے کہ ہر چالیس ایام کے بعد نیا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے اور تیسرے چلے کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے، اس چیز کا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر موجود نہیں ہے بلکہ یہ چیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں درج ہے۔[۶۴]

یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں ۴۲ راتوں کے بعد صورت سازی اور تخلیق کے آغاز کی طرف اشارہ ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ جنین جب اپنی تخلیق کے مراحل پورے کر چکتا ہے، تب اس میں روح پھونکی جاتی ہے اور تخلیق کی تکمیل ماں کے پیٹ میں نطفہ قرار پکڑنے کے بعد ایک سو بیس دن میں مکمل ہوتی ہے۔ جنین میں روح پھونکے جانے سے وہ ایک دوسری مخلوق ہو جاتا ہے کیونکہ وہ حرکت کرنے اور آوازوں کو سننے پر قادر ہو جاتا ہے اور اس کا دل برابر دھڑکنے لگتا ہے۔

اگر ہم انسانی حیات کا جائزہ لیں، تو اس کی تخلیق کے ۴ مراحل (خَلَق، فَسَوّیٰ، قَدَّرَ، فَہَدَیٰ) ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ﴾[۶۵]۔ اور جس نے ہر چیز کو ایک خاص انداز دیا، پھر راستہ بتایا، پھر اسے (فطری) ہدایت عطا فرمائی۔ ان چار الفاظ (خلَق، فسوّیٰ، قدَّر- فهدَىٰ) میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان بھی ہے اور تخلیقی عمل کے مختلف مراحل کا ذکر بھی۔ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کے حوالے سے تین اسمائے حسنیٰ (اَلْخَالِقُ، اَلْبَارِیٔ، اَلْمُصَوِّرُ) کا ایک ساتھ ذکر سورۃ الحشر کی آخری آیت میں بھی آ چکا ہے۔

سورۃ الحشر کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی یہ تین صفات ایک خاص منطقی ترتیب سے بیان ہوئی ہیں۔ یہ ترتیب دراصل تخلیقی عمل کے مرحلہ وار ارتقاء کی نشان دہی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے کسی چیز کا نقشہ یا نمونہ بناتا ہے، اس لحاظ سے وہ خالق ہے۔ پھر وہ مطلوبہ چیز کو طے شدہ نمونے کے مطابق عدم سے وجود میں ظاہر فرماتا ہے، اس اعتبار سے وہ الباری ہے۔ تیسرے مرحلے میں وہ اس تخلیق کو ظاہری صورت یا شکل عطا فرماتا ہے، اس مفہوم میں وہ المصور ہے۔

پہلے دو مراحل یعنی تخلیق اور تسویہ کے اعتبار سے تو انسان اور دوسری مخلوقات میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن اگلے دو مراحل (تقدیر اور ہدایت) کے حوالے سے انسان کا معاملہ دوسری مخلوقات سے جدا ہے۔ چنانچہ پہلے دو مراحل (تخلیق اور تسویۃ) کو ایک عمارت کی مثال کے حوالے سے یوں سمجھیں کہ کسی عمارت کا ڈھانچہ کھڑا کرنا "تخلیق" ہے، جب کہ اس کو سجانا، سنوارنا وغیرہ اس کا "تسویہ" کہلاتا ہے۔

سورۃ الحشر کی مذکورہ آیت میں تخلیق کے جن تین مراحل کا ذکر ہوا ہے ان کا تعلق چیزوں کے ظاہری یا مادی وجود سے ہے۔ جب کہ زیر مطالعہ آیات میں مادی وجود کی تخلیق کے ساتھ ساتھ چیزوں کے باطنی خصائص کی تخلیق کا ذکر بھی ہے۔ (خلق فسوی کے الفاظ کسی تخلیق کے باطنی پہلوؤں کی نشان دہی کرتے ہیں۔

تخلیق کا تیسرا مرحلہ جس کا یہاں ذکر ہوا ہے وہ «قدر» ہے۔ قدر کے لغوی معنی اندازہ لگانے کے ہیں، جسے عرف میں تقدیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس مفہوم میں کسی تخلیق کے معیار، اس کی صلاحیت، استعداد و حدود سمیت جملہ خصائص کو اس کی قدر یا تقدیر کہا جائے گا۔ مثلاً انسان اشرف المخلوقات تو ہے لیکن وہ ہوا میں اڑنے سے قاصر ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی چڑیا آسانی سے ہوا میں اڑتی ہے۔ گویا ہوا میں اڑنے کی یہ صلاحیت رکھنا چڑیا کی تقدیر کا خاصہ ہے اور اس اعتبار سے قاصر ہونا انسان کی تقدیر کا لازمی حصہ ہے۔ اس کے بعد تخلیق کے اگلے مرحلے کے طور پر یہاں ہدایت کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد وہ فطری ہدایت ہے جو اللہ تعالی نے ہر مخلوق کو پیدائشی طور پر عطا کر دی ہے۔ اسی ہدایت کی روشنی میں بکری کو معلوم ہے کہ اسے گھاس کھانا ہے اور شیر کو پتہ ہے کہ اس کی غذا گوشت ہے۔ الغرض ہر جان دار اپنی زندگی اسی طریقے اور لائحہ عمل کے مطابق گزار رہا ہے جو اللہ تعالی نے اس کے لیے طے کر دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر انسان کی قدر، صلاحیت اور استعداد اللہ تعالی کے ہاں دو طرح سے طے پاتی ہے۔ اس کا ایک پہلو یا ایک حصہ تو وہ ہے جو اسے پیدائشی طور پر جینز کی شکل میں عطا ہوا ہے اور دوسرا پہلو اس کے ماحول کا ہے جس میں وہ آنکھ کھولتا، پھلتا پھولتا اور پرورش پاتا ہے۔ ان دونوں پہلوؤں کے اچھے یا برے اور مثبت و منفی عوامل کے ملنے سے ہر انسان کی شخصیت کا ایک سانچہ اور ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ جس کے مطابق وہ زندگی بسر کرتا ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁

۱۔ سورۃ التین:۴

۲۔ سورۃ المومن:۶۶

۳۔ الراغب الاصفهانی، المفردات، بتحقیق صفوان عدنان داوودی، دار القلم - الدار الشامیۃ، ۱۴۳۰ - ۲۰۰۹، ص:۳۱۲

۴۔ ابو الحسین، مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری، صحیح مسلم المحقق: محمد فواد عبد الباقی، دار السلام – الریاض ۲۰۰۰ م: رقم الحدیث(۱۳۱۲): (۲۷۸۹)

۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، دار السلام – الریاض ۱۹۹۹ م ، رقم الحدیث: (۵۷۴۵، ۵۷۴۶)، ومسلم، رقم الحدیث: (۲۱۹۴)

۶۔ المفردات ، ص:۳۱۲

۷۔ سورۃ المومن:۶۷

۸۔ ماسوائے فرشتوں اور جنوں کے، فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور جنات کو آگ سے پیدا کیا گیا۔

۹۔ سورۃ الانبیاء : ۳۰

۱۰۔ سورۃ الفرقان:۵۴

۱۱۔ المفردات، ص:۳۱۲

۱۲۔ لوئیس معلوف ، المنجد، المطبعۃ الکاثولیکیۃ للآباء الیسوعیین ۲۰۰۹ م، ص:۴۹۶

۱۳۔ سورۃ الانعام : ۲

۱۴ سورۃ ص : ۷۱
۱۵۔ سورۃ القصص : ۳۸
۱۶۔ ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، ابو الفضل، لسان العرب ، دار الصادر—بیروت، الطبعۃ الثالثہ - ۱۴۱۴ ھ ،مادۃ لزب، ج: ۱۳ص: ۱۹۴
۱۷۔ المناوی، عبد الرؤوف، التوقیف علی مہمات التعاریف، عالم الکتب، القاہر ۱۹۹۰، ۱۴۵
۱۸۔ سورۃ الصافات:۱۱
۱۹۔ صحیح بخاری، رقم الحدیث:(۲)
۲۰۔ المفردات، ص: ۲۷۴
۲۱۔ المنجد، ص:۴۴۶
۲۲۔ الرازی، محمد بن عمر، ابو عبد اللہ، فخر الدین، مفاتیح الغیب، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۱ھ، ج:۱۹، ص:۱۳۸
۲۳۔ سورۃ الحجر:۲۶
۲۴۔ سورۃ الغاشیہ : ۴
۲۵۔ سورۃ التوبہ:۳۵
۲۶۔ سورۃ النباء:۲۴ – ۲۵
۲۷۔ لسان العرب، ج:۱۳، ص:۲۲۷
۲۸۔ سورۃ البقرۃ:۲۵۹
۲۹۔ الطبری ، محمد بن جریر، ابو جعفر، تفسیر الطبری، تحقیق عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی، دار ہجر للطباعۃ والنشر، ج:۱۴ص:۶۲
۳۰۔ جمال الدین، محمد طاہر بن علی الصدیقی الھندی ، مجمع بحار الآنوار فی غرائب التنزیل ولطائف الآخبار، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ، ۱۹۶۷م، ۳ ج:ص:۱۳۵
۳۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ج۵ ، ص۴۹
۳۲۔ ایضا
۳۳۔ سورۃ الرحمٰن:۱۴
۳۴۔ الثعالبی، عبد الملک بن محمد ابو منصور المحقق عبد الرزاق المھدی، احیاء التراث العربی، الطبعۃ الآولی ۱۴۲۲ھ - ۲۰۰۲م، ج ۱، ص:۳۰۹
۳۵۔ الراغب الاصفہانی، المفردات، ج:۱ص:۴۱۸
۳۶۔ لسان العرب، ج:۷ص:۲۳۹
۳۷۔ یہ تفصیلات قرآنِ مجید میں سورۃ البقرہ: ۳۰-۳۴، سورۃ الحجر: ۲۶-۳۵، سورۃ الاعراف: ۱۱-۱۶اور دیگر مقامات پر بیان کی گئی ہیں۔
۳۸۔ الخازن، لباب التاؤیل فی معانی التنزیل، المحقق عبد السلام محمد علی شاھین، دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۴م، ج:۳ ص : ۱۰۰
۳۹۔ سورۃ المؤمنون: ۱۲ – ۱۴
۴۰۔ سورۃ السجدۃ:۷-۸
۴۱۔ ہارون یحیٰ ، اللہ کی نشانیاں ، مترجم ڈاکٹر تصدق حسین راجا، اسلامک ریسرچ سینٹر پاکستان، ص:۱۰۰
۴۲۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک ، قرآن پاک اور جدید سائنس، ترجمہ: زاہد ملک، زبیر پبلشرز اردو بازار لاہور، ص:۵۰
۴۳۔ سورۃ الواقعہ:۵۷-۵۹
۴۴۔ سورۃ الدھر:۲

۴۵۔ سورۃ الطارق :۶-۷

۴۶۔ سورۃ عبس: ۱۷-۱۹

۴۷۔ سورۃ الدھر:۲

۴۸۔ سورۃ العلق :۱-۲

۴۹۔ کینیڈا میں یونیورسٹی آف ٹورنٹو کے شعبہ علم الاعضا کے سربراہ ہیں اور ایمبریالوجی(علم الجنین) کے پروفیسر ہیں ۔۱۹۸۴ء میں انہیں علم تشریح الاعضا کی تحقیقات کے صلہ میں ایوارڈ کینیڈا کی تشریح الاعضا کی تنظیم (Canadian Association of Anatomists) کی جانب سے خصوصی امتیازی ایوارڈ دیا گیا ۔

۵۰۔ ۱۵دن کے جنین کا سائز تقریباً ۶ء۰ ملی میٹر ہوتا ہے۔

۵۱۔ Professor Keith Moore، the Developing Human, Page: 08 Persaud,5thed.

۱۹۸۱ء میں سعودی عرب کے شہر دمام میں منعقد ہونے والی ساتویں میڈیکل کانفرنس

۵۲۔ Moore and other Human Development as described in the Quran and sunnah Page : 36

۵۳۔ سورۃ الحج:۵

۵۴۔ سورۃ الزمر:۶

۵۵۔ سورۃ المومنون:۲۳

۵۶۔ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ. ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ. ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ. ثُمَّ إِنَّكُم بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ. ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ﴾. سورۃ المؤمنون: ۱۲-۱۵

۵۷۔ ﴿ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا﴾. سورۃ الغافر:۶۷

۵۸۔ محمد حسین میمن، عون الباری فی مناسبات تراجم البخاری، ادارہ تحفظ حدیث فاؤنڈیشن، مکتبہ اسلامیہ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور ج: ۱ ص: ۱۵۵

۵۹۔ طارق اقبال، انسان کی مرحلہ وار تخلیق اور جدید سائنس کے اعترافات، تخلیق انسانی اور معجزات قرآن، ص:۸۹

۶۰۔ صحیح بخاری، باب بدء الخلق: رقم الحدیث:(۳۲۰۸)

۶۱۔ ایضا

۶۲۔ صحیح مسلم باب القدر، رقم الحدیث: (۶۷۳۰)

۶۳۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ فرشتہ بیالیس راتوں کے بعد حاضر ہوتا ہے جبکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ ایک سو بیس دن کے بعد حاضر ہوتا ہے۔

۶۴۔ ابن قیم، ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر، تحفۃ المودود باحکام المولود، دار ابن حزم، بیروت، ص: ۲۵۹

۶۵۔ سورۃ الاعلی:۳